مہمان نوازی بطور سماجی قدر: پاکستانی سفر نامہ نگاروں کے تجزیات

بشیر احمد، پی ایچ ڈی سکالر اسلامیہ کالج پشاور
پروفیسر ڈاکٹر محمد عباس، صدرِ نشین شعبۂ اردو اسلامیہ کالج پشاور

Abstract:

Hospitality is a salient value of Pakistani society. This short article is an effort to analyze the observations and reactions of Pakistani authors in their Urdu travelogues about host countries. The article consists of ten travelogues about more than twenty countries of Europe, Asia and Australia. Analysis shows that, for Pakistani authors, the level of decorum and protocol of a guest in host societies are surprising and disappointing with one noted exception of Italian society. In each instance, the rationale presented by the travel writers is also included in the article, which collectively shows that difference of level in hospitality is well understood by authors in backdrop of values and traditions of host societies.

Key Words: Pakistani Travelogues; Urdu Travelogues; Hospitality as Social Value; Social Comparison

ادب میں سماج کی عکاسی تخلیق کار کے تخئیل اور نکتہ نظر کی محتاج ہوتی ہے جب کہ سفر نامہ قدرے مختلف صنف ہے کہ اس میں براہِ راست سماج کا عکس پیش کیا جاتا ہے۔ سفر نامہ نگار سفر کے مشاہدات، تاثرات، تجربات اور احساسات کو یہاں بھی اپنے نکتہ نظر کے تحت ہی بیان کرتا ہے، لیکن دیگر اصناف کے برعکس سفر نامہ میں حقائق اور سماج بڑی حد تک تخئیل کو پابند رکھتے ہیں۔ سفر نامہ صرف سفر کے خوشگوار و ناخوشگوار واقعات تک محدود نہیں ہوتا بلکہ زیست کی مانند ہمہ

رنگ و خوش رنگ ہوتا ہے۔اس میں جغرافیائی معلومات ،تاریخ ، تہذیب و ثقافت ،سماجی اقدار،بود وباش ،طرزِ زندگی،عمارات،سیاست ،معیشت،رسم ورواج،عقائد ،ادب سمیت قاری کی دلچسپی کا بہت سا سامان ہوتا ہے۔ڈاکٹر انور سدید سفر نامے میں اس اندرونی کیفیات اور بیرونی مشاہدات کے تعلق کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"سفر نامہ،سفر کے تاثرات،حالات اور کوائف پر مشتمل ہوتا ہے۔فنی طور پر سفر نامہ وہ بیانیہ ہے جو سفر نامہ نگار سفر کے دوران یا اختتامِ سفر پر اپنے مشاہدات،کیفیات اور اکثر اوقات قلبی واردات سے مرتب کرتا ہے۔اس صنف ادب کا تمام تر مواد موجود منظر کے گرد و پیش میں بکھرا ہوا ہوتا ہے۔لیکن واضح رہے کہ سفر نامہ نگار صرف خارجی ماحول کا ہی مشاہدہ نہیں کرتا بلکہ اپنے بیانیہ کو مدلل اور ہمہ جہت بنانے کے لیے بہت سی دوسری جزئیات کو بھی سمیٹتا چلا جاتا ہے۔"۱

سفر نامہ نگار اپنی جودتِ طبع اور میلان کے مطابق منظر کے جزئیات کے انتخاب اور پھر اس کو اپنے اسلوب میں بیان کرنے میں آزاد ہوتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ سفر نامے کے لیے کوئی لگا بندھا اُصول ابھی تک مقرر نہیں ہو سکا۔دراصل یہی آزادہ روی سفر نامے کی اصل خوبی بھی ہے۔سفر نامہ نگار دوسرے ملک کی سیاحت کے دوران اپنے اور اُس ملک کے مابین سماجی تقابل شروع کر دیتا ہے۔بعض پاکستانی سفر نامہ نگاروں نے اپنے سفر ناموں میں دیگر ممالک کی سیر میں اپنے ہاں کی مثبت اقدار کی کمی کو شدت سے محسوس کیا ہے۔انھیں اقدار میں سے ایک اہم قدر مہمان نوازی ہے جس کی تشنگی کو امریکہ اور یورپ کے سفر کے دوران سفر نامہ نگاروں نے نہ صرف محسوس کیا بلکہ ان کا ذکر بھی کر دیا ہے۔یہاں پاکستانی سفر نامہ نگاروں کے سفر ناموں سے بیرونی ممالک میں مہمان نوازی کی صورت حال پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

مہمان نوازی ہر مہذب معاشرے کی مشترکہ قدر رہی ہے۔دیگر مذاہب کی طرح اسلام نے بھی مہمانوں کی توقیر اور مہمان نوازی پر زور دیا ہے۔قرآن اور احادیث مبارکہ سے بھی مہمان نوازی کی اہمیت ثابت ہے۔قران پاک میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"کیا تیرے پاس ابراہیم کے معزز مہمانوں کی بات پہنچی ہے،جب وہ ان کے پاس گئے تو انہیں سلام کیا،ابراہیم نے جواب میں کہا،سلام (اور کہا) انجانے لوگ ہیں۔پھر اپنے گھر کی طرف چلے اور ایک پلا ہوا بچھڑا (بھون کر) لائے اور ان کے قریب کیا،فرمایا تم کھاتے کیوں نہیں؟"۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سے زائد احادیث میں مہمانوں کی تکریم مہمان نوازی کے اُصول، آداب اور مہمان نوازی کے اجر و ثواب کا ذکر فرمایا ہے:

"جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے پڑوسی کا اکرام کرے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہو وہ اپنے مہمان کی دستور کے مطابق ہر طرح سے عزت کرے۔ پوچھا: یارسول اللہ! دستور کے موافق کب تک ہے۔ فرمایا ایک دن اور ایک رات اور میزبانی تین دن کی ہے اور جو اس کے بعد ہو وہ اس کے لیے صدقہ ہے۔"۳

ایک اور حدیث میں ہے:

"جس گھر میں مہمان ہو اُس میں خیر و برکت اُونٹ کی کوہان سے گرنے والی چھری سے بھی تیز آتی ہے"۴

مہمان نوازی پاکستانی معاشرے کی ایک مثبت تہذیبی قدر اور پہچان ہے۔ ہمارے ہاں مہمان کو اللہ کی رحمت سمجھا جاتا ہے۔ اس کی آؤ بھگت اور خاطر داری میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے۔ اپنی استطاعت سے بڑھ کر مہمان کی خدمت اور تواضع کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ ہمارے ہاں مہمان نوازی سے عاری شخص کو اچھے الفاظ میں یاد نہیں کیا جاتا۔ اس کو بے حمیتی کے طعنے دیے جاتے ہیں۔ پاکستان میں خیبر پختونخوا کا علاقہ اس حوالے سے امتیازی حیثیت کا حامل ہے۔ پٹھانوں کی مہمان نوازی پورے خطے میں مشہور ہے۔ اس علاقے کو مہمان نوازوں کی سر زمین کہا جاتا ہے۔ مغربی ممالک کا باسی پاکستانیوں کی مہمان نوازی سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ ان کے مادہ پرست معاشرے میں مہمان نوازی کی کوئی روایت باقی نہیں رہی۔ پاکستانی سفر نامہ نگاروں نے دیگر ممالک کی سیاحت میں مہمان نوازی کی روایات نہ ہونے کو شدت سے محسوس کیا ہے۔ بعض سفر نامہ نگاروں نے دوسرے معاشروں سے تقابل میں اپنے ملک کی اس مثبت قدر پر فخر کا اظہار کیا ہے۔

ہمارے ہاں کھانا کھاتے وقت پاس بیٹھے لوگوں کو کھانے میں شمولیت کی دعوت دی جاتی ہے۔ اس بات سے قطع نظر کہ وہ شخص ہمارا شناسا ہے یا نہیں۔ اجنبی، مسافر اور راہ گیر کو بھی کھانا کھلانا کارِ خیر سمجھتے ہیں۔ یہ بھی پاکستانی سماج کی ایک تہذیبی روایت ہے۔ اس تہذیبی روایت سے انحراف برتنے والے شخص کو ہمارے ہاں بخیل و کنجوس کے القابات سے نوازا جاتا ہے۔ تاہم مغربی معاشرہ اس قسم کی روایات سے یکسر ناواقف ہے۔ محمد رمضان شاہ گیلانی نے پاکستانی معاشرے کی

مخصوص روایات کے تناظر میں کینیڈین عوام کی سرد مہری اور مہمان نوازی سے عاری جذبے کو شدت سے محسوس کیا ہے۔انھوں نے "ملتان سے مانٹریال تک" میں دونوں معاشروں کا تقابل کرتے ہوئے لکھا ہے:

"مہمان نوازی وغیرہ ان کی سرشت میں نہیں ہے۔ ہمارے ساتھ کام کرنے والے چاہے مسٹر بورق ہو یا پیٹر واٹر ہاوس جب بھی اُن کا کھانے کا ٹائم ہوتا وہ فوراً ہمیں صلح مارے بغیر کھانا کھانے بیٹھ جاتے جبکہ ہماری سوسائٹی میں تو ساتھ والے کو صلح مارے بغیر کھانا کھانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔"۵

پاکستانی معاشرے میں مہمانوں کو چائے پانی نہ پوچھنا بہت معیوب خیال کیا جاتا ہے۔اس سلسلے میں بعض اوقات ہمارا خلوص تکلفات کی حدوں کو چھونے لگتا ہے۔ ہمارے ہاں میزبان کی خوشنودی کو مقدم رکھا جاتا ہے۔ پاکستانی سماج میں ہر اجنبی فرد کو مہمان کا درجہ دیا جاتا ہے۔ایسے میں اگر کوئی شخص چائے پانی پوچھنے میں سستی کا مظاہرہ کرے تو مہمان اپنے میزبان کے سرد رویے کو شدت سے محسوس کرتے ہوئے گلہ کرنے کا حق بھی محفوظ رکھتا ہے۔ پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی اس قسم کے تجربے سے امریکہ کی ایک یونیورسٹی میں گزرے۔انھوں نے اپنے میزبان پروفیسر کی جملہ خوبیوں کا اعتراف تو کیا لیکن مہمان نوازی سے عاری معاشرے کی ادا پسند نہیں آئی۔انھوں نے "سفر نامہ" میں امریکی معاشرے کے اس رخ کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے:

"میری بیٹی مجھے اپنی یونیورسٹی لے کر گئی۔ پروفیسر صاحبان نے ملاقات اچھے طریقے سے کی۔ بات چیت کی مگر کسی نے یہ نہیں کہا بیٹھیں چائے پی کر جائیں۔ علیٰحدگی کے وقت گڈ بائے کافی ہے۔"٦

ڈاکٹر ظہور احمد اعوان کا تعلق خیبر پختونخوا کی زرخیز اور مہمان نواز دھرتی سے ہے۔ وہ صوبے کے بیشتر کالجوں اور آخر میں پشاور یونیورسٹی کے شعبہ اُردو میں اُردو ادب کے اُستاد رہے۔ وہ ایک زود نویس مصنف تھے۔انھوں نے دیگر اصناف میں طبع آزمائی کے ساتھ ساتھ متعدد سفر نامے بھی تحریر کیے۔انھوں نے "امریکہ نامہ" میں خیبر پختونخوا کی روایتی مہمان نوازی کا ذکر کرتے ہوئے امریکہ کی آداب مہمان نوازی سے ناواقفیت پر بھی حیرت کا اظہار کیا ہے۔انھوں نے پاکستان اور امریکہ کے باہم متصادم روایات کو کھل کر بیان کیا ہے۔ وہ اپنے میزبان مسٹر جم کی زبانی مہمان نوازی سے عاری امریکی عوام کی طرزِ معاشرت، سوچ اور ترجیحات کو بیان کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

"ہمارے ملک میں کسی کے ہاں مہمان آجائے تو میزبان اس کے لیے اپنی جان تک دے دیتے ہیں۔ خود کانٹوں پر سوتے ہیں مگر مہمان کو پھولوں کی سیج پر سلاتے ہیں، قرضہ لیتے ہیں--- مگر مہمان کو راضی رکھتے ہیں۔ ہم جب نیاگرافال کی سیر کے لیے گئے تو ہمارے میزبان آگے آگے تھے۔ ہر جگہ انہوں نے صرف اپنا ٹکٹ خریدا حالانکہ ہم بڑھ کر پہل کرنے کی کوشش کرتے۔ یہ بات بھی ہمارے لیے عجیب تھی۔ ہم نے جب بھی کوشش کی جم نے کہا یہ امریکہ ہے۔ یہاں ماں بیٹا بھی ساتھ ساتھ ہوں تو ہر ایک اپنا ٹکٹ خود لیتا ہے ہم نے جب اسے بتایا کہ ہمارے ملک میں مہمان اپنی جیب کو ہاتھ نہیں لگاتا تو جم کھلکھلا کر ہنس پڑا اور ہم بھی ہنس پڑے۔" ۷

علی سفیان آفاقی نے اپنے سفر ناموں میں مغربی تہذیب و تمدن کے مقابلے میں مشرقی تہذیب و اقدار کی مدح سرائی کی ہے۔ وہ اپنے معاشرے کی اعلیٰ اقدار کو نمایاں کرنے کے لیے تقابل سے کام لیتے ہیں۔ انھوں نے اس سلسلے میں مغربی معاشرے کی ایک اور انتہائی صورت کو نمایاں کیا ہے جو ہماری مشرقی تہذیبی اقدار سے یکسر مختلف بلکہ ہماری غیرت و حمیت کے لیے ناقابل قبول ہے۔ انھوں نے "گوریوں کا دیس" میں مغرب کے اس رخ کا موازنہ پاکستانی معاشرے سے ان الفاظ میں کیا ہے:

"ویسے تو مغرب میں یہ بھی ہوتا ہے کہ اگر کسی لڑکی کو ڈیٹ پر لے جائیں تو اپنا اپنا خرچ خود ہی ادا کریں۔ مگر ایسا کرنے والے یورپین لوگ خود ہوتے ہیں۔ ہم مشرق والے تو اپنی تہذیب کے مارے ہوتے ہیں۔ اول تو مردذات کی موجودگی میں یہ ممکن ہی نہیں کہ کسی عورت کو پیسے خرچ کرنے کا موقع دیا جائے اور پھر اگر وہ آپ کی "ڈیٹ" بھی ہے تو ایں خیال است و محال است و جنوں۔"۸

علی سفیان آفاقی مغرب کے خاندانی نظام کے بکھرنے اور پورے معاشرے پر مسلط اس کے نقصانات کا تجزیہ بھی کرتے ہیں۔ انھوں نے مغربی معاشرے کی نفسا نفسی کو مادہ پرست سرمایہ دارانہ نظام کا کرشمہ قرار دیا ہے۔ ان کو اپنے ہاں کے خلوص و محبت، گرم جوشی، مہمان نوازی اور خاندانی اقدار جیسی خوبیوں پر ناز ہے۔ وہ "طلسمات فرنگ" میں کینیڈا میں

خاندانی نظام کے زوال، مہمان نوازی اور خلوص سے عاری طرز معاشرت کے تقابل میں اپنے ہاں کے مشرقی اقدار کو یوں سراہتے ہیں:

"ان لوگوں میں ملاقاتیوں کو دعوت دینے کا رواج ہی نہیں ہوتا۔ اگر کسی کو مدعو کریں گے بھی تو کسی کاروباری یا پیشہ ورانہ مصلحت سے۔ ورنہ کھانے کے لیے پوچھتے بھی نہیں۔ یہ لوگ تو اپنے حقیقی ماں باپ اور بہن بھائیوں تک کو دعوت نہیں دیتے۔ کبھی سال دو سال میں ان سے ملاقات ہوتی ہے تو چائے کافی پر ٹرخا دیتے ہیں۔۔۔ دراصل یہ ٹھاٹ تو ہم مشرق والوں تک ہی محدود ہیں اور مشرقی میزبانی مغربی ملکوں میں جا کر بہت عجیب اور نرالی سی محسوس ہوتی ہے۔"۹

محمد اختر ممونکا نے پاکستان سے فرانس تک کا طویل سفر براستہ سڑک طے کیا تھا۔ اس دوران وہ مختلف شہروں اور قصبوں سے پیدل بھی گزرے۔ اس دلچسپ سفر میں اُن کا گزر بلغاریہ کے ایک دور افتادہ گاؤں سے بھی ہوتا ہے۔ ان کو رات گزارنے کے لیے کسی ٹھکانے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس ویرانے میں ایک تنہا گھر کو دیکھ کر ان کو تسلی ہو جاتی ہے لیکن گھر کے باہر موجود بوڑھی مالکن اجنبی شخص کو دیکھ کر خوفزدہ ہو کر گھر کی طرف بھاگ جاتی ہے۔ وہ حفظ ماتقدم کے طور پر اپنی حفاظت کے لیے ضروری اقدامات بھی کرتی ہے۔ محمد اختر ممونکا اس کو ساری صورت حال بتا کر رات ٹھہرنے کے لیے آمادہ کرتا ہے۔ مصنف کو اس موقع پر اپنے معاشرے کی روایتی مہمان نوازی شدت سے یاد آتی ہے۔ انھوں نے دونوں معاشروں کے مابین تقابلی موازنہ کچھ یوں پیش کیا ہے:

"یا خدا یہ کیسے کسان ہیں جو ایک مسافر کو شب بھر کے لیے پناہ نہیں دے سکتے۔ کوئی مسافر اگر ہمارے ملک میں کسی کسان کے گھر مہمان بن کر جائے تو پورا گاؤں اس کی خدمت کے لیے پہنچ جاتا ہے اور اتفاق سے وہ مہمان اگر غیر ملکی ہو تو قرب وجوار کے دیہاتوں میں ڈھول بجا کر اعلان کر دیا جاتا ہے۔ جہاں سے تماشائیوں کے غول کے غول سیاح کی زیارت کو چلے آتے ہیں۔"۱۰

ہمارے ہاں چند احباب باہر اکٹھے کھانے کے لیے چلے جائیں تو سب ایک دوسرے سے بڑھ کر بل ادا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ بھی ہمارے معاشرے کی ایک مثبت قدر ہے۔ تاہم دوسرے کئی ممالک میں اس قسم کی کوئی روایت

موجود نہیں۔ ہمارے ہاں جب دوست احباب کسی ہوٹل یا ریسٹوران میں کھانا کھانے سے پہلے فیصلہ کر لیتے ہیں کہ ہر ایک اپنا بل خود ادا کرے گا تو اس کے لیے عرف عام میں "امریکن سسٹم" کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔ ہمارا معاشرہ ہنوز اس قسم کی درآمدی اقدار سے کافی حد تک محفوظ ہے۔ جاپان جیسے قدامت پسند معاشرے میں بھی "امریکن سسٹم" والا چلن عام ہو گیا ہے۔ الطاف شیخ نے "گیشاؤں کے دیس میں" میں جاپانیوں کے اس طرز عمل کو ان الفاظ میں بیان کیا ہے:

> "جاپانی دوستوں کے ساتھ کسی ہوٹل میں کھانا کھانے کے بعد اس کا بل نہ تو آپ ادا کریں اور نہ اس کی امید دوسروں سے رکھیں۔ جاپان میں تمام دوست مل جل کر یعنی آپس میں ''چندہ'' کر کے بل ادا کرتے ہیں۔ ہمارے ہاں اسے امریکن سسٹم کہا جاتا ہے۔"۱۱

فضل خالق نے اٹلی کے ایک گاؤں کے لوگوں کی مہمان نوازی کو پختونوں کی مہمان نوازی کا ہم پلہ قرار دیا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ بعض یورپی ممالک میں اب تک قدیم روایتی اقدار سے لگاؤ کے باعث مہمان نوازی کے اوصاف باقی ہیں۔ مصنف کے بقول:

> "ایزولا کے لوگ سیدھے سادے، سلیقہ مند اور پڑھے لکھے ہیں جو اپنی روایات یعنی اطالوی رسم و رواج اور ثقافت کو گلے سے لگائے ہوئے ہیں۔ یہاں کے لوگ یورپ کے دوسرے علاقوں کے برعکس قدرے زیادہ مہمان نواز ہیں اور مہمانوں کو کھانا کھلانے میں پختونوں کی طرح کبھی کبھار زبردستی سے بھی کام لیتے ہیں۔"۱۲

آغا شورش کاشمیری نے بھی اطالویوں کی مہمان نوازی کی تائید کی ہے:

> "اطالیوں کے متعلق معلوم ہے کہ فنون لطیفہ کے دلدادہ ہیں، مہمان نوازی میں پشتون ہیں۔"۱۳

بطور قوم ہمیں اپنی مہمان نوازی پر فخر ہے۔ جب کوئی غیر ملکی ہماری مہمان نوازی کی تعریف کرے تو یہ فخر مزید بڑھ جاتا ہے۔ طارق محمود مرزا نے "خوشبو کا سفر" میں نیوزی لینڈ سے تعلق رکھنے والی خاتون "مار گریٹ" کا ذکر کیا ہے۔ موصوفہ کرکٹ کی دلدادہ ہونے کے باعث کئی مرتبہ اپنی قومی کرکٹ ٹیم کے دورہ پاکستان کے موقع پر یہاں آئی تھیں۔ وہ پاکستانیوں کی مہمان نوازی سے کافی متاثر تھیں۔ انھوں نے پاکستانیوں کی مہمان نوازی کا برملا اعتراف کیا ہے۔ اس سلسلے میں انھوں نے نیوزی لینڈ، آسٹریلیا اور یورپ کے مہمان نوازی سے عاری معاشرے کا ذکر کچھ یوں کیا ہے:

"مہمان نوازی! پاکستانی بہت مہمان نواز ہیں۔نیوزی لینڈ کرکٹ ٹیم کے کھلاڑی اور کوچ وغیرہ مجھے اچھی طرح جانتے ہیں۔اس لیے اکثر جگہوں پر جب وہ دعوت میں جاتے ہیں تو مجھے بھی ساتھ لے جاتے ہیں۔پاکستان میں ان کھلاڑیوں کی، بلکہ ہم سب کی بہت آؤ بھگت ہوتی ہے۔خاص بات یہ ہے کہ غیر حکومتی ادارے اور افراد نجی سطح پر دعوتیں کرتے ہیں اور دل کھول کر پیسہ خرچ کرتے ہیں۔نیوزی لینڈ بلکہ آسٹریلیا اور یورپ میں یہ رواج بالکل نہیں ہے۔"۱۴

ہمارا معاشرہ چند مخصوص روایات کی وجہ سے دیگر معاشروں سے امتیازی مقام رکھتا ہے۔ان روایات کا تعلق ہماری سماجی اقدار سے ہے جن پر عمل کرنے پر ہم فخر محسوس کرتے ہیں۔ مہمان نوازی بھی ہماری ایسی ہی ایک مثبت قدر ہے جس کی پوری دنیا معترف ہے۔ ہمارے ہاں بھی گزرتے وقت کے ساتھ مہمان نوازی کی قدر آہستہ آہستہ روبہ زوال ہے۔تاہم دوسرے معاشروں کی نسبت ہماری یہ قدر اب بھی زندہ وتابندہ ہے۔ مغرب کے مادہ پرست اور سرمایہ دارانہ معاشرے میں اس قسم کے پُرخلوص جذبوں کی شدید قلت پائی جاتی ہے۔اُن کے ہاں مہمانوں کی آؤ بھگت اور ان کے لیے دعوتوں کا اہتمام کرنے کی کوئی روایت موجود نہیں۔وہاں اگر کچھ دوست کسی ہوٹل یا ریسٹوران میں اکٹھے کھانا کھائیں بھی تو سب اپنا اپنا بل خود ادا کرتے ہیں۔

پاکستانی سفر نامہ نگاروں نے بیرونی ممالک کی سیاحت میں غیر ملکیوں کے مہمان نوازی سے عاری روایات کو شدت سے محسوس کیا۔ان کو دیارِ غیر میں اپنے وطن کی گرم جوشی اور باہمی خلوص و محبت کی بہت یاد آئی۔ تمام سفر نامہ نگاروں نے دیگر معاشروں سے تقابل میں پاکستان کی مہمان نوازی پر افتخار کا اظہار کیا ہے۔پاکستان آنے والے غیر ملکی پاکستانیوں کی مہمان نوازی کو ساری عمر یاد رکھتے ہیں۔ طارق محمود مرزا نے اس ضمن میں نیوزی لینڈ سے تعلق رکھنے والی ایک خاتون کا اعتراف شامل کیا ہے۔ محمد رمضان شاہ گیلانی اور پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی نے کینیڈین اور امریکی معاشرے میں مہمان نوازی کی عدم روایت کا گلہ کرتے ہوئے اپنی اقدار کی ستائش کی ہے۔ڈاکٹر ظہور احمد اعوان نے امریکی سماج میں مہمان نوازی نہ ہونے کے بارے میں اپنا ایک واقعہ درج کیا ہے۔انھوں نے صوبہ خیبر پختونخوا کی مہمانداری کے زریں اصول گنواتے ہوئے امریکیوں کی سرمایہ دارانہ سوچ پر طنز بھی کیا ہے۔ علی سفیان آفاقی نے پاکستانی اور مغربی اقدار کا مہمان نوازی کے تناظر میں موازنہ کیا ہے۔انھوں نے مغرب کے مادہ پرست معاشرے میں اخلاص و مروت جیسی اوصاف کی کمی کا ذکر کیا ہے۔الطاف شیخ نے مشرقی ملک جاپان کی مشرقی روایات سے ناواقفیت کا تذکرہ کیا ہے۔ فضل خالق اور آغا شورش کاشمیری کا

تجربہ اپنے ساتھی سفر نامہ نگاروں سے اس لحاظ سے مختلف رہا کہ دونوں نے اٹلی کے مہمان نواز معاشرے کی سیاحت کی تھی۔ دونوں حضرات نے اطالوی لوگوں کی مہمان نوازی کو سراہا ہے۔ ان کے بقول اہلِ اطالیہ مہمان نوازی میں پاکستان کے پٹھانوں کی مانند ہیں۔ اس ایک استثنائی صورت کے علاوہ باقی تمام سفر نامہ نگاروں نے دوسروں ممالک کو مہمان نوازی کی صفات سے عاری قرار دیا ہے۔

حوالہ جات:

۱۔ ڈاکٹر انور سدید، اُردو ادب میں سفر نامہ، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۱۷، ص: ۴۶

۲۔ القرآن الذاریات: ۲۴۔ ۲۷

۳۔ صحیح بخاری؛ ۶۰۱۹

۴۔ ابن ماجہ جلد ۴، ص ۵۱، حدیث: ۳۳۵۶

۵۔ محمد رمضان شاہ گیلانی، ملتان سے مانٹریال تک، ملتان: جھوک پبلشرز، ۲۰۰۴ء ص ۸۲

۶۔ پروفیسر ڈاکٹر ایم اے صوفی، سفر نامہ، لاہور: بک ہوم ۲۰۱۴ء، ص ۱۹۶

۷۔ ڈاکٹر ظہور احمد اعوان، امریکہ نامہ، لاہور: الوقار پبلی کیشنز ۲۰۰۶ء ص ۲۱۴

۸۔ علی سفیان آفاقی، گوریوں کے دیس میں، لاہور: سارنگ پبلشرز، س ن ص ۳۱۱

۹۔ علی سفیان آفاقی، طلسماتِ فرنگ، لاہور: مقبول اکیڈمی س ن ص ۵۳

۱۰۔ محمد اختر ممونکا، پیرس ۲۰۵ کلومیٹر، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء ص ۱۹۲

۱۱۔ الطاف شیخ، گیشاؤں کے دیس میں، لاہور: جہانگیر بک ڈپو، س ن، ص ۶۰

۱۲۔ فضل خالق، ہر قدم آوارگی، سوات: شعیب سنز، ۲۰۱۶ء، ص ۹

۱۳۔ آغا حشر کاشمیری، یورپ میں چار ہفتے، لاہور: چٹان پریس، ۱۹۶۰ء ص ۱۲۸

۱۴۔ طارق محمد مرزا، خوشبو کا سفر، اسلام آباد: دوست پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء ص ۱۸۶